یہ میری کہانی ہے مجھے اب تو لوگ بھی بھولنے لگے ہیں گزرے زمانے میں میرا نام کلثوم تھا اور کلسیا کہہ کر پکارا جاتا تھا جس زمانے میں کلسیا تھی تب میرا سرخ رنگ نہیں اپنا تھا میرا بدن سڈول کا پیکر تھا میری آنکھیں موتی جیسے بہہ بہہ کر بے نور ہو گئیں۔ اور یہ سفید جو تھا جس سے سورج بھی شرما جائے اس وقت سیاہ گھنگھریالی زلفوں کی امنڈتی ہوئی گھٹا کمر تک آئی ہوئی چوٹی کا ناگ بنی ہوئی تھی جس کے ڈسے ہوئے نوجوان بوڑھے مرد پانی بھی نہ مانگتے تھے۔

جب نوخیزگی کے عالم میں تھی تو میری چنچل اور نازک کمر میری مدھ بھری آنکھیں میرے سرخ سرخ عارض سبک اور سڈول جسم اچھے اچھے پرہیزگاروں کے دلوں میں طوفان برپا کر دیتا تھا مجھے خدا نے حسن و جمال کے سارے لوازمات ملا کے ہوئے تھے مگر آہ مجھے دنیا کے سب سے قیمتی دولت جسے لوگ عزت و عفت کہتے ہیں نہ ملی مجھے قدرت نے کسی شریف گھرانے کی بیٹی نہیں۔ بلکہ لونڈی بنا کر پیدا کیا اور یہ میری سب سے بڑی بدنصیبی تھی جس کا ماتم کرنے کے لیے آج میں ڈائجسٹ کے ان صفحات کا سہارا لے رہی ہوں۔ مجھے اپنے نام رسوا کرنے کا شوق نہیں ہے مگر کیا کروں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اس بنی ہوئی زندگی کی لرزہ خیز داستان ساری دنیا میں پھیل جائے اور لوگ سماج کے ان ٹھیکیداروں پر لعنتوں... کی بوچھاڑ کریں جو

صدیوں تک انسانی جذبات کو کھلونا بنا کر کھیلتے رہے۔ میرے اس
ارادہ کو آپ ایک بپھری ہوئی عورت کا انتقام کہہ سکتے ہیں جو کچھ
نہیں کر سکتی۔ عورت کے پاس صرف آنسو ہوتے ہیں اور ان
ہی آنسوؤں کی روشنائی سے میں یہ داستان قلم بند کر رہی ہوں۔

اپنی داستان شروع کرنے سے قبل میں آپ کو یہ بتا دوں
کہ میرا کوئی باپ نہیں تھا۔

آپ حیرت میں پڑ گئے۔ ایسی بات نہیں کہ میں کسی مرد کے
نطفے کے بغیر عالم وجود میں آ گئی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قدرت
اور حالات نے مجھے یہ حق نہیں دیا کہ میں کسی کو اپنا باپ کہہ سکوں
جیسے گھروں کی لونڈیوں کا سلسلۂ نسب باپ کی بہ نسبت ماں سے
ملتا ہے اسی لیے میں اپنی داستان کے ضمن میں صرف اپنی
ماں کے حالات بیان کروں گی۔

میری ماں ضلع پیلی بھیت کے چھوٹے سے گاؤں کے ایک
چھوٹے سے کسان کی اکلوتی بیٹی تھی ابھی اس کا بیاہ نہیں ہوا تھا۔
بس تیاری ہی تھی۔ اسی درمیان میں زبردست قحط پڑا میری ماں
کے والدین بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے میری ماں بتایا

کرتی تھی کہ وہ قحط نہ تھا بلکہ خدا کا قہر نازل ہوا تھا چونکہ حکومت نے
وہاں پر کوئی امدادی کام نہیں کیا تھا۔ اس لیے ہزاروں آدمی بھوک
سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ میری ماں چونکہ جوان تھی اس لیے
وہ بھوک کافی دیر تک برداشت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جس وقت
وہ بے ہوش ہو کر گرنے والی تھی تو مکھن پور کے نواب آصف جاہ
جو اپنے طور پر قحط زدہ علاقے کی امداد کر رہے تھے اس علاقے میں
پہنچ گئے۔ اس طرح بہت سے قریب المرگ انسانوں کی جانیں
بچ گئیں۔ حالانکہ نواب کی جاگیر کا اس بدنصیب علاقے سے کوئی
تعلق نہیں تھا۔ مگر پھر بھی ان کی ہمدردی اور انسانی فرض نے
گوارہ نہ کیا تھا کہ پڑوس کے علاقے میں بلائے آسمانی ٹوٹ پڑی
ہو اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ سرکار چوک کرے تو کرے
ان کا جو فرض ہے وہ انہیں پورا کرنا ہی ہے۔

نواب آصف جاہ مکھن پور کی لمبی چوڑی زمینداری کے
بلا شرکت غیرے مالک تھے۔ نواب صاحب کی عمر اس وقت پچاس
سال سے زیادہ کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جاہ و جلال دولت و
عزت و ثروت و سخاوت و دریا دلی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے
تھے یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے سنا کہ پیلی بھیت کے ضلع میں
بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط اور طاعون کی آفت آ گئی ہے۔ تو
ان سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے پورے اسٹاف کے مصیبت
زدہ علاقے کی مدد کو جا پہنچے اور اپنی ذاتی موٹروں اور بیل گاڑیوں
میں قریب المرگ اور فاقہ کش انسان کو کیمپ میں پہنچانا شروع
کر دیا جو خود انہوں نے قائم کر دیا تھا۔

ان کی اس جرأت اور دریا دلی کو دیکھ کر سرکار انگلشیہ کو
بھی کچھ شرم آئی اور اس امدادی کیمپ کے لیے ایک برائے نام
رقم پولیس اور فوج کے جوان صدر مقام سے پہنچا دیے گئے۔۔۔
جہاں مظلوموں کی غذائی اور طبی امداد کا بہترین انتظام تھا۔
نواب آصف جاہ کے لیے ہر مظلوم کے لب پر دعائیں تھیں۔
کتنے مہربان ہیں۔ نواب آصف جاہ جو ان کے علاقے سے
کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور اس کے باوجود بھی ہزاروں روپے
کی رقم پانی کی طرح بہا رہے تھے۔

مظلوم کسانوں اور غریبوں کے دل اپنے ذمہ داروں
کے خلاف نفرت سے بھر گئے۔ جو صرف لگان وصول کرنے کے
آیا کرتے تھے اور جب انہوں نے سنا کہ علاقہ میں قحط پڑ گیا ہے تو

اس کے پیچھے منہ چھپا کر کوئی نینی تال بھاگا اور کوئی شملہ چلا گیا کہ
کہیں انسانوں کو امداد دینی پڑے۔

جس وقت نواب آصف جاہ نے میری نوجوان اور حسین
ماں مریم کو دیکھا تو بھوک سے بے چین اور بے جان تھی مگر اس
حالت میں بھی اس کی نقاہت نے اس کے حسن کو چار چاند لگا
دیے تھے۔ پچاس سال کے موٹے تازے نواب آصف جاہ اس
پُر حسن کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس وقت وہ خود اپنی نگرانی میں
اس علاقے کے مصیبت زدہ لوگوں کو کیمپ میں بھجوا رہے تھے
وہ گاؤں کے باہر نیم کے ایک درخت کے نیچے اپنی کرسی
بچھائے اپنے چند خدام کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اور کام
کرنے والے گاؤں والوں کو کیمپ کی طرف روانہ کر رہے
تھے۔ سب گاڑیاں درخت کے نیچے اپنی کرسی بچھائے اپنے چند
خدام کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اور کام کرنے والے گاؤں
والوں کو کیمپ کی طرف روانہ کر رہے تھے سب گاڑیاں درخت
کے نیچے سے ہوتی ہوئی کیمپ کی طرف جا رہی تھیں اور جب
آخری بیل گاڑی آہستہ سے ان کے پاس سے گزری تو یکایک
نواب صاحب کے تحت الشعور میں سرسراہٹ ہونے لگی گاڑی
پر ایک جوان عورت سوار تھی جس کی آنکھیں کمزوری کے باعث
بند تھیں۔ مگر پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی نیم وا آنکھوں سے
مے کی بارش ہو رہی ہو۔ اس کا کتابی چہرہ گو کملایا تھا مگر شباب
کی تازگی پھوٹی پڑتی تھی۔

اچانک ان کے منہ سے نکلا غفور یہ گاڑی روکو۔ اور غفور
نواب صاحب کا منہ چڑھا خادم تھا اور ان کے مزاج سے بخوبی
واقف تھا۔

اس نے فوراً لپک کر گاڑی بان کو اشارہ کیا۔ باگیں کھنچیں
اور مریل بیل ایک جھٹکے سے رک گئے ساری گاڑیاں جا چکی تھیں
اور گاؤں میں صرف کتوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔
اور کیمپ کی طرف جدھر گاڑیاں گئی تھیں صرف دھول اور دھوپ
کے علاوہ کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ صرف ایک آخری بیل گاڑی
نواب صاحب کے پاس کھڑی تھی جس میں یہ ماہ وش دوشیزہ سوار
تھی۔ اتفاق سے اس آخری بیل گاڑی کا گاڑی بان نواب صاحب
کا ذاتی نوکر تھا اور اس چھوٹی سی گاڑی میں گاؤں کا بوڑھا مالدہ
یہ مظلوم لڑکی اور کچھ اس کا معمولی سا اسباب تھا بوڑھا قریب

جاں بلب تھا۔ نواب صاحب تقریباً ایک گھنٹہ بعد کرسی سے
اٹھے اور رینگتے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچے ایک نظر اس جاں
بلب بوڑھے پر ڈالی، اس کی نبض دیکھی۔ اور غفور سے بولے۔
غفور ذرا دواؤں کا صندوقچہ تو گاڑی سے لانا۔

"ابھی لایا سرکار۔"

غفور الٹے پاؤں ان کی بگھی جیپ کی طرف دوڑا۔

"ارے ہاں لڑکی، تم اس بوڑھے کی کون ہو۔۔۔" انہوں
نے اس دوشیزہ سے پوچھا۔

اس نے بدقت جواب دیا۔

"جی کوئی نہیں۔ یہ تو ہندو ہے۔ میں تو مسلمان ہوں سرکار۔"

"اچھا" نواب صاحب چونکے۔

"کیا نام ہے تمہارا۔۔۔"

"جی۔۔۔ مریم۔۔۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں، کیا آگے جا چکے ہیں۔"

"سب مر گئے سرکار۔" یہ کہتے کہتے اس نحیف و نزار دوشیزہ
کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اوہو۔۔۔" نواب صاحب نے عجب سے لہجے میں کہا۔

بھجوا دو نہیں تو اب بار دکھائے گا۔
اتنے میں منور دوا ڈبّی کا چھوٹا بکس لے کر واپس آ گیا اور نواب صاحب نے گاڑی کے پیچھے بیٹھ کر بکس کھولا۔ اور دو شیرو سے کہا۔ اس بوڑھے کو وبائی قسم کی بیماری ہے۔ منور اس لڑکی کو گاڑی میں پہنچا دو۔ اس بوڑھے کو لڑکی کے قریب رہنے دیا ہے بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ منور نے فوراً سہارا دے کر لڑکی کو اتار لیا اور ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ جیپ کی طرف لے چلا۔

نواب صاحب نے دوا کی ایک چھوٹی سی شیشی نکالی چند بوندیں اس قریب المرگ بوڑھے کے حلق میں ٹپکا دیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے جلد از جلد کیمپ تک پہنچ جانے کا حکم دے دیا۔

بیل گاڑی تیزی سے بڑھتی ہوئی دھول کے بادلوں میں گم ہو گئی۔ اور نواب صاحب جلدی سے جیپ کی طرف چلے اور تیز تیز قدموں سے اس جگہ پہنچے جہاں منور اس لڑکی کو موٹر پر سوار کر چکا تھا۔

نواب صاحب نے فوراً ہی اپنے خادم کو پچھلی سیٹ پر بیٹھ جانے کا حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ اونچے نیچے

دیہی راستہ میں دوڑنے لگی نواب صاحب اپنی سواری کی خود خود ڈرائیو کرتے تھے۔ ان کو اپنے کسی بھی ڈرائیور پر اپنے سے زیادہ اعتماد نہیں تھا۔ اور اس وقت جب ان کا دماغ اس حور لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور مضبوط ہاتھ جیپ کے جھٹکے دار اسٹرنگ کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھے تو انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے گاڑی اب بہکی اور تب بہکی لیکن خدا خدا کر کے وہ صحیح سلامت مکمن پور پہنچ ہی گئے انہوں نے اپنی حویلی کے کپاؤنڈ میں پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا اور دوسرے ہی لمحے وہ اپنے ایک منشی باقر علی کو ہدایت دے رہے تھے تمہیں آج ہی رات کیمپ پہنچنا ہے پیسے کی پرواہ نہ کی جائے کتنا صرف ہوتا ہے مگر یہ واضح رہے کہ صرف جائز ہو میں خود وہاں رہتا۔ مگر میری طبیعت خراب ہونے والی تھی خون کا دباؤ وہاں کی جھلسا دینے والی گرمی نے اور بڑھا دیا تھا۔ اف انہوں نے پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ ارے منور اس لڑکی کو اتار کر اندر زنان خانے میں پہنچا دو۔ بیگم کو ہدایت کر دینا کہ وہ ابھی اسے صرف دودھ پینے کو دیں۔

اتنا کہہ کر وہ اپنے ملاقاتی کمرے میں داخل ہو گئے۔
نواب آصف جاہ کی بیگم اگرچہ ان کی ہم عمر تھیں مگر ان سے زیادہ بوڑھی نہ معلوم دیتی تھیں۔

بیگم بڑی نیک تھیں۔ اتنی بڑی جاگیر کی مالکہ ہونے کے باوجود ان کے اندر کبر و نخوت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھیں وہ اپنے گھر کی لونڈیوں اور خدام کو اپنے بچوں کی مانند جانتی تھیں۔ اور ان کو دل بھر کے نوازا کرتی تھیں بس یہ سمجھ لیجیے کہ گھر کے باہر اگر نواب صاحب کی دریا دلی اور سخاوت کا ڈنکا بجتا تھا۔ تو حویلی کے اندر بیگم صاحبہ کی کرم فرمائیوں کی دھوم تھی بیگم صاحبہ عورتوں سے خصوصاً نوجوان لڑکیوں سے بہت پیار کرتی تھیں جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کی کوئی لڑکی زندہ نہ رہی تھی ان کی واحد اولاد صرف ایک لڑکا اعظم جاہ تھا جو کہ آج کل اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے ولایت گیا ہوا تھا۔

بیگم صاحبہ نے جس وقت سے مریم کو دیکھا تھا گویا وہ اس پر مر مٹی تھیں۔ انہوں نے اپنی سگی بیٹی کی طرح اس کی خدمت کی اس کا حسن بھولا پن اور سادگی ان کو بھا گئی تھی ایک ہفتے کے اندر مریم کی صورت اس قدر تبدیل ہو گئی کہ پہچانی ہی نہیں جاتی

تھی بیگم نے کئی جوڑے کپڑے اسے دے دیئے تھے جو بہت ہی زیادہ بھڑک دار تھے اور بقول بیگم کے کہ اب میں انہیں کیا پہنوں گی وہی مثل کہ بڑھی گھوڑی لال لگام۔ مریم بیٹی تم ہی پہن ڈالو یہ کپڑے تمہارے جیسی عمر والیوں کو زیب دیتے ہیں اور مریم اس عیش و آرام کے گہوارے میں آ کر اپنے سارے رنج و غم بھول گئی تھی اپنے ماں باپ اور اعزا کے ٹوٹوں کی دفراش صدمے وہ جیسے فراموش کرتی جا رہی تھی بیگم اور نواب کی محبتوں میں اس نے اپنے مرحوم ماں باپ کا پتہ تلاش کر لیا تھا اس کے علاوہ بیگم اور نواب صاحب نے اس کو وہ سب کچھ بخش دیا تھا جو اس کے اصلی ماں باپ بھی نہ دے سکتے تھے اتنے صدمے اٹھانے کے بعد اس کا موجودہ ماحول میں اتنی جلدی رنگ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اگرچہ مریم ایک غریب کسان کی بیٹی تھی اس نے یہ ٹھاٹھ باٹھ خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ مگر بیگم کی تربیت سے وہ ان کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔

نواب صاحب صبح سے شام تک کئی مرتبہ آتے تھے اور ایک اچٹتی ہوئی نگاہ مریم پر ڈال کر رہ جاتے تھے جو کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا کام کر رہی ہوتی۔

نواب صاحب جوانی میں کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں مگر ادھر پندرہ سال سے انہوں نے پرہیزگاری سے گزاری تھی۔ جس روز سے انہوں نے مریم کو گھر میں لا کر رکھا تھا انہوں نے ایک بار پھر عہد رفتہ کو آواز دینا شروع کر دیا۔ نماز، روزہ وعظ، شکار و تفریح یہ تک کہ مزدوری کے کاموں میں بھی باہر جانا روک رکھا تھا۔ آج کل تو ان کا زیادہ تر وقت زنان خانہ میں گزرتا تھا۔ جہاں معصوم مریم کے حسن و شباب کو دیکھ دیکھ کر ان کے خون میں شباب کی تیزی اور گرمی پیدا ہوتی گئی۔

دوپہر کا وقت تھا۔ گرمیوں کی دوپہر بھی سونے اور آرام کرنے کے لیے ہوتی ہے اور بڑے آدمی تو خاص کر اس وقت لمبا چوڑا آرام کرتے ہیں۔ چونکہ بیگم کی آج صبح ہی سے کچھ طبیعت خراب تھی اس لیے وہ تو بستر سے اٹھی ہی نہ تھیں۔ نواب صاحب بھی دوپہر کے کھانے کے بعد خواب گاہ میں سونے کے لیے چلے گئے تھے

آج کل چونکہ مریم بیگم کی سب سے اقرب رفیق بنی ہوئی تھی اس لیے دوسری ادھیڑ عمر اور بوڑھی خادماؤں کو قریباً فرصت ہی فرصت تھی وہ مریم کی اس ہر دلعزیزی سے ناخوش بھی تھیں اور خوش بھی۔

اس وقت بیگم نیم بیداری کی حالت میں آنکھیں بند کیے اپنے زرکار چھپر کھٹ پر پڑی ہوئی تھیں اور مریم بھی بیگم کے سرہانے بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ ان کی پیشانی سہلا رہی تھی اتنے میں دروازہ کھلا اور بوڑھی خیرن اندر آتے ہوئے بولی بی بی جی سرکار کے دشمنوں کے سر میں درد ہو رہا ہے۔
"اچھا بیگم نے آنکھیں کھول دیں اور مریم کی طرف مخاطب ہو کر بولیں۔
بیٹی مریم ذرا جا کر دیکھو تو ان کے سر میں درد ہو رہا ہے اور ان چڑیلوں میں سے کسی کو تیرے جیسا سر دبانا نہیں آتا ذرا جا کر ان کا سر تو دبا دو۔
شاباش یہ کہہ کر بیگم نے آنکھیں موند کر بے نیازی سے کروٹ بدل لی جس کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ اب جاؤ میں سو رہی ہوں مریم نے بغیر سوچے ہوئے روشن جبیں کی قیمتی اشفاقی اوڑھ جلدی سے نواب صاحب کی دلہن کی طرح سجی ہوئی خواب گاہ میں چلی

گئی۔

نواب صاحب مسہری پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے مریم کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی وہ چونک پڑے۔

"آؤ مریم تم آ گئی ہو" انہوں نے آہستہ سے کہا اور پھر ذرا زور سے بولے۔ "دیکھو دروازہ بند کر دو۔ روشنی کے ساتھ گرم ہوا بھی اندر آ جاتی ہے۔"

مریم نے حکم کی تعمیل کی اور دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ایک لمحہ بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں تو وہ ڈرتی ڈرتی مسہری کے پاس پہنچی اور سرہانے بیٹھ کر بغیر کچھ پوچھے ہوئے شیشی میں تیل انڈیل کر نواب صاحب کے نیم گنجے سر کو آہستہ آہستہ ملنے لگی۔

وہ سر دبا رہی تھی اور نواب صاحب کیف و سرور کی کسی وادی میں پہنچ گئے تھے انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ اس وقت اپنی خوابگاہ میں نہیں بلکہ عرش کی بلندیوں میں پرواز کر رہے ہیں جوان اور حسین لڑکیوں کی انگلیوں کے لمس میں ہمیشہ یہ تاثیر ہوتی ہے۔

"مریم!" نواب صاحب جیسے کہیں دور سے بولے۔

"جی۔" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے آہستہ سے

جواب دیا۔

"یہاں تمہیں کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہے" نواب صاحب نے اس سے دریافت کیا۔

"سرکار۔ آپ نے اور بیگم نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔"

اس نے بڑی ہمت سے جواب دیا۔ آج نواب صاحب پہلی مرتبہ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔

"تب اس کا یہ مطلب ہے کہ تم ہمارے احسان مند ہو۔"

"جی بہت۔" مریم نے جواب دیا۔

نواب صاحب پھر بولے۔ "اگر تم سے کبھی اس احسان کا بدلہ چکانے کو کہا جائے تو تم کیا کرو گی۔"

"جی۔ جی۔ میں۔ میں۔ میرے سے جو کچھ کہا جائے وہ میں کرنے کو حاضر ہوں۔ مگر سرکار آپ نے مجھے زندگی دی ہے اور مجھے اپنے راج محل میں بیٹی بنا کر رکھا ہے میں تو اپنی جان دے کر بھی آپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔"

"مریم۔۔۔!"

"جی۔۔۔!"

"ہم بدلہ چاہتے ہیں۔" نواب صاحب بے قابو ہوتے ہوئے بولے۔ "آپ بڑے ہیں سرکار۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ ہاں اگر آپ لوگوں کے قدموں میں کچھ عرصہ رہ کر آپ لوگوں کی خدمت کر سکی تو یقیناً آپ کے احسانوں کا بدلہ کچھ چکا سکوں گا۔"

"مریم!" نواب صاحب عجیب سے لہجے میں بولے۔

"جی۔۔۔!"

مریم اب ڈر سے کانپنے لگی تھی۔ جانے نواب صاحب کس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔

"مجھے ابھی اپنا معاوضہ چاہیے۔"

"میرے پاس ہے کیا سرکار۔!"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے سو جائیے۔"

"مریم مجھے باتوں میں مت بہلاؤ میں نے تمہاری جان بچائی ہے اگر میں تمہیں یہاں نہ لے آیا ہوتا تو فوجی گدھ تمہارے اس خوبصورت جسم کو نوچ نوچ کر کھا گئے ہوتے اور میں تم سے کئے ہوئے احسان کا بدلہ مانگ رہا ہوں اور یہ بدلہ تم کو چکانا ہو گا ابھی۔ اور اسی وقت۔۔۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اپنے مرحوم والد

...ی سمجھا ہے۔۔۔ اور آپ۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔

...سا نہیں ہو سکتا۔"

وہ اٹھ کر چلنے لگی۔

"مریم۔۔۔" نواب صاحب کی گرجدار آواز گونجی "کیا تم نے ...نی فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔ لیکن خوب سوچ لو تمہارے اس انکار ...ے مطلب ہو گا کہ تمہارا اس حویلی سے اخراج اس کے بعد تمہارا جو ...ر ہو گا وہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ احسان فراموشی ہو گی ...و بھیانک سے بھیانک سزا ہو سکتی ہے وہ تم کو ملے گی دوسری ...ورت میں تم اس گھر میں چھوٹی مالکن بن کر رہو۔ عزت و ثروت ...ہارے قدم چومے گی۔

بولو تمہیں بربادی و رسوائی منظور ہے یا دنیا کی عزت اور عیش و عشرت۔۔۔۔"

اور پھر اسی وقت اس بدنصیب دوشیزہ نے اوپر کیے گئے احسان کا بدلہ چکا دیا۔

اسی شام نواب صاحب نے غسل فرما کر محفل میلاد شریف منعقد کی اور خود انہوں نے منبر پر تشریف فرما ہو کر بیان فرمایا۔

"مومنوں ہمیشہ برائیوں سے پرہیز کیا کرو نہ معلوم کس وقت موت آ جائے اور تمہیں توبہ کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔"

جس وقت یہ الفاظ ان کے منہ سے نکلے اچانک ان کے جگر پر ایک کانٹا کھٹکنے لگا۔ ان کی نظروں کے سامنے مریم کا حسین اور معصوم چہرہ گھوم گیا۔ اور مجبوراً ہی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"اف میں نے یہ کیا کیا۔۔۔ ایک مقدس کلی کو پھول بننے سے پہلے ہی تباہ کر بیٹھا۔ اتنا بڑا گناہ۔"

میلاد شریف سننے والے تمام حاضرین چپ چاپ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔

نواب صاحب ہمیشہ ہی ایسی محفلیں منعقد کرتے آئے تھے اور پُرکشش و پُراثر آواز سے اسی طرح وہ وعظ و نصیحت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے اور حاضرین میں سے کسی نے دیکھا کہ ان کے چہرے کی کیفیت بگڑتی چلی جا رہی ہے۔

یکایک وہ آہستہ سے بولے۔

"منور مجھے سنبھالو میں گر۔۔۔"

منور نے دوڑ کر ان کو سہارا دیا اور ان کے بھاری بھرکم جسم کو آہستہ سے اٹھا کر مجمع سے نکال کر زنانے میں پڑے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔

نواب صاحب کو بہت پرانی اختلاج کی شکایت تھی اور اس گناہ نے ایک دم ان کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا۔

انہیں ایک زبردست قسم کا دورہ پڑا اور صبح ہونے سے قبل ہی وہ اس جہاں سے سدھار گئے۔ پتہ نہیں وہ آخری وقت اپنے گناہوں سے توبہ کر سکے یا نہیں۔

نواب صاحب کی موت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ حویلی ماتم کدہ بن کر رہ گئی اور پوری جاگیر میں نواب صاحب کی موت کا سوگ منایا جا رہا تھا۔

نواب آصف جاہ رعایا کے دلوں کے حکمران تھے ان کی سدا بہار اور انسانیت دوستی نے اپنی موت پر دشمنوں کو بھی آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔

مگر بے چاری مریم جو اس دن لڑکی سے عورت بنی۔۔۔ وہ رو بھی نہ سکی۔

نواب صاحب کے انتقال کے آٹھویں روز ہی منظوریاں

انگلینڈ سے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر واپس آ گئے۔

اعظم میاں کی عمر اس وقت چوبیس یا پچیس برس ہی کی ہوگی وہ پہلے بھی خوش شکل تھے مگر انگلینڈ کی آب و ہوا نے انہیں اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا۔ انہیں اب زمینداری کو چلانا اپنے ذمہ لینا تھا اور اس کے لیے انہوں نے ڈگری کی ضرورت نہیں تھی۔

اور یہی وجہ تھی انہیں اپنی تعلیم نامکمل چھوڑنے کا ذرا بھی افسوس نہ تھا۔ صرف باپ کے انتقال کا صدمہ تھا۔

مریم نے اعظم میاں کا نیا روپ دیکھا۔ اعظم میاں ہر وقت مسکراتے رہتے تھے ان کے چہرے پر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری رہتی۔ اگرچہ اس مسکراہٹ میں کسی غم کے تاثرات نہیں ہوں گے مگر مریم کو نہ جانے کیوں ان سے خوف لگتا تھا جیسے ان کی زندہ دلی نے حویلی پر چھائی ماتمی فضا کو یکسر ختم کر دیا تھا۔ خود بڑی بیگم جو اپنے شوہر کے صدمے سے قریب المرگ ہو رہی تھیں اپنے فرزند ارجمند کے جوان مضبوط [illegible] میں اس غم کو بھلا بیٹھی تھیں اور یوں بھی جوان بیٹا بوڑھی بیوہ ماں کے لیے شوہر اور بیٹے کا دوہرا کردار تھا۔

اعظم میاں بہت جلد باپ کی جگہ پر ویسی ہی مضبوطیت کے حامل ہو گئے جو آصف جاہ کو حاصل تھیں ان کی لیاقت و قابلیت زندہ دلی سے سارے کارکنان خوش تھے انہوں نے انگلینڈ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ہوئے بھی والد کی قدیم روایات کو زندہ رکھیں۔

اور ایک دن جب اعظم میاں کسی کام سے زنان خانے پہنچے شاید والدہ سے کسی مسئلہ پر بات چیت کرنا چاہتے تھے مگر بیگم اس وقت چوکی پر وظیفہ میں مصروف تھیں اس لیے اعظم میاں دالان میں ٹہلنے لگے۔

اچانک مریم پیچھے ایک کمرے سے نکلی اور بڑا سا بادیہ لیے ہوئے باورچی خانہ میں تیزی سے جانے لگی۔

اعظم میاں نے آج پہلی بار اپنی حویلی کے اندر پرورش پانے والے پھول کو دیکھا۔ دیکھا تو انہوں نے سیکڑوں بار ہوگا مگر انہوں نے توجہ نہ دی تھی اور جب اچانک انہوں نے سراپا ناز کو دیکھا تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے انہوں نے ملکوتی حسن کی تقدیس آج صرف آج دیکھی ہے ویسے انگلستان کے قیام کے دوران ہزاروں لڑکیاں دیکھی تھیں مگر وہ تو مریم کے مقابلے میں موم کے بنے ہوئے مجسمے تھے یا بے جان [illegible] تصویریں۔

مریم کا حسن زندگی بھر خصوصیات کا حامل تھا۔ اعظم میاں کا اس وقت ہندوستانی حسن کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا اور وہ کھڑے مریم کے بارے میں سوچتے رہے۔

آخر یہ کس نامان کا روشن چراغ ہے اس کا کوئی ہے یا نہیں اور کیا وہ ان کے پیار کا جواب پیار سے دے سکتی ہے ابھی وہ یہیں تک سوچنے پائے تھے کہ بڑی بیگم آہستہ آہستہ باہر آ گئیں۔

"ارے اعظم ـــ!"

"جی اماں" اعظم نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

"آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"آ بیٹھ جا بیٹے ـــ"

بیگم نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود بھی آگے بڑھ کر اس پر بیٹھ گئیں۔ اعظم میاں بھی ماں کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

بیگم نے بیٹے کے سر اور بازوؤں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا۔

"دیکھو ابھی اتنی سردردی کی ضرورت نہیں ہے ـــ جاؤ ہیں جاکے جاگیر منشی اور مختیار بیٹھے ہیں [illegible] پر کتنا دبلا ہو گیا ہے۔"

"اماں مجھے پیاس محسوس ہو رہی ہے۔"

اعظم میاں نے موضوع بدل دیا اور جواب میں بڑی بیگم صاحبہ نے وہیں سے آواز دی۔

"مریم ـــ او مریم ـــ"

وہ فوراً ہی سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"جی ـــ!"

"ارے مریم" بیگم مسکراتی ہوئی بولیں "تجھے کیا ہوا ہے آج کل نہ جانے کس ڈھنگ سے بات کرتی ہے آخر بات کیا ہے"

"جی میں ٹھیک ہوں ـــ"

مریم نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

بیگم نے اسے مشورہ دیا۔

"تو دل خوش رہا کر بیٹی ـــ"

"جی بہتر ـــ"

وہ بے دلی سے مسکرائی اور اعظم چاہنے اس کو مسکراتے دیکھ کر سوچا کہ مریم زندگی بھر اسی طرح کھوئی مسکراتی رہے [illegible] میں یونہی ہنستا دیکھتا رہوں لیکن ان کی یہ آرزو [illegible] ہی قائم رہ گئی ـــ

بیگم نے اس سے شربت لانے کو کہا اور وہ جلدی سے [illegible] گئی ـــ

مریم کا حسن و جمال اعظم میاں کا صبر و قرار لوٹ لے گیا۔ اعظم میاں نوجوان رئیس زادے تھے اور رئیس زادوں کو عشق و عاشقی کے معاملے میں زیادہ سردردی کی ضرورت نہیں ہوتی تھی وہ اس وقت مریم کے ہاتھ سے شربت کا شربت پی کر چلے گئے مگر ان کے اندر پیدا ہونے والی لگی اور بڑھ [illegible] اس دن کاروبار سرکار میں ان کا دل نہ لگا۔

انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی اسے رام کر لینے کی کوشش کریں گے انہیں انگلینڈ کے رومانس یاد آ رہے تھے وہاں کی تیز طرار اور بے باک لڑکیاں یاد آ رہی تھیں جو خود [illegible] کی طرف کھنچی چلی آتی تھیں ہاں یہ بات ضرور تھی کہ ان [illegible] کسی کی قربت کے لیے اعظم میاں بھی اس قدر بے قرار [illegible] تھے جتنا اس معصوم اداس سی کھوئی کھوئی خادمہ کے لیے لگ [illegible] رہا تھا۔

ادھر بے چاری مریم تھی جو کہ اپنی عصمت و عفت کا نذرانہ [illegible] آصف جاہ مرحوم کو بھینٹ کر چکی تھی اور اسے ناگہانی [illegible] اس قدر صدمہ تھا کہ اس کی بندش سے خود اس کے [illegible] جل رہی تھی۔

[illegible] وہ اس نامراد حویلی میں نہ آئی ہوتی وہ وہیں قحط [illegible] میں جلس جلس کر مر گئی ہوتی اور اس کی لاش کو کفن [illegible] میسر ہوتا اور ننگی لاش اس طرح پھرتی اور [illegible] چیتھڑوں [illegible] ملبوس لاش سے بدرجہا بہتر ہوتی۔

[illegible] جب وہ اس حویلی میں شروع شروع آئی تھی تب اسے نواب صاحب کے برتاؤ سے ایسا محسوس ہوتا تھا [illegible] اس حویلی میں ایک بیٹی کی حیثیت سے آئی ہے۔

اور ہمیشہ اسی طرح رہے گی لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔

وہ اب مکمل طور سے ایک لونڈی بن چکی تھی وہ لونڈی جس کا سب کچھ اس کے مالکوں کے لیے ہوتا ہے۔

لونڈی صرف نام ہی سے وہ مخلوق ہوتی ہے جو جوان ناطق ہوتے ہوئے بھی بے زبان رہتی ہے وہ سب کچھ جانتی ہے محسوس کرتی ہے۔ سوچتی ہے مگر کچھ نہیں کر سکتی اور نہ کچھ کہہ سکتی ہے مریم کو ایک ننھی کلی کی طرح اس پر کیے گئے احسانوں کے بدلے میں مسلا گیا مگر وہ اف بھی نہ کر سکی تھی اس سے آہ و بکا کا حق بھی چھین لیا گیا تھا۔

اگر وہ بغاوت کرتی اور کسی طرح وہاں سے نکل جانے کی کوشش کرتی اس میں بھی انہی حضرات کا زبردست ہاتھ تھا جس سے ایک بار سامنا ہو چکا تھا اور وہ اس حویلی کے اندر ہی جس طرح بھی زندگی گزارنے کا تہیہ کر چکی تھی۔

اس نے اعظم میاں کی نگاہوں کے پیغامات بھانپ لیے تھے اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

یا اللہ اب کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو نواب

صاحب کی بستر کی شکن بن چکی ہوں اور اب آج وہ سارے
دن انہی خیالات میں الجھتی رہی اور اس وقت جب رات
آدھی کے قریب ہونے کو آئی تھی مگر نیند اس کی آنکھوں
سے دور تھی۔ سارا عالم سو رہا تھا مگر مریم اپنے پلنگ پر پڑی
کروٹیں بدل رہی تھی اپنا مستقبل اس کو تاریک نظر آ رہا تھا
اسے اپنی زندگی گناہوں میں تحریر ہوتی نظر آ رہی تھی اور یہ
احساس جس قدر اذیت ناک ہو سکتا ہے اس کا اندازہ
صرف مریم ہی کر سکتی تھی۔

آج کل موسم برسات شروع ہو گیا تھا نیچے کے حصے میں گرمی
ہو گئی تھی اس لیے مریم کے علاوہ بڑی بیگم اور دیگر
خادمائیں بالا خانے پر سوتی تھیں کیونکہ مریم کو آج کل تنہائی
زیادہ پسند تھی اور یوں بھی اسے ان کھوسٹ خادماؤں
سے نفرت سی آتی تھی جو اس قدر بوڑھی اور عمر رسیدہ ہونے
کے باوجود بھی نہایت فحش مذاق کرتی رہتی تھیں جن کی زندگی
کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ وہ بی بی عیش کریں۔ اور آپس میں
چہلیں کرتی رہیں۔

مریم کا خیال تھا کہ اس میں شک نہیں کہ بڑے گھروں میں
ماماؤں اور لونڈیوں کو دنیا بھر کا عیش میسر ہو سکتا ہے لیکن
وہ تب جب کہ لونڈی اپنے احساسات اور جذبات کا گلا
گھونٹ دے۔

مریم انہیں خیالات میں غلطاں تھی کہ اچانک چونک پڑی
اس کے دیوتا کوپ کر گئے اعظم میاں اس کے پلنگ کے پاس
ہی کھڑے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"آپ... یہاں... اس وقت... اس نے سرہانے
رکھی ہوئی لالٹین کی لو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں مریم میں... اعظم آہستہ سے بولے کہ ان کا لہجہ
قہقہہ میں ڈستا ہوا محسوس ہوا۔

"ف... ف... فرمایئے... وہ ہکلائی۔

"نہیں عرض کروں گا: اعظم نے آہستہ سے کہا۔

"تم شاید چوروں کی طرح اپنی خوابگاہ میں گھس آنے
سے ناراض ہو گی۔ وہ الگ پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے

"اس جسارت کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا تھا کہ وہ ان کی
بات کا جواب دے تو کیا دے۔

"مریم میں نے تمہاری گزشتہ زندگی کے بارے میں
اماں مغرور سے سب کچھ سن لیا ہے۔ تم ایک غریب خاندان کی
آخری نشانی ہو مگر تم اس لائق بھی نہیں ہو کہ اس طرح
نوکرانیوں کی سی زندگی بسر کرو مجھے تم سے بے حد ہمدردی
ہے اور یہ دوسری بات ہے کہ اس ہمدردی میں محبت
کا کتنا حصہ ہے میں یہ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ میں ہی دل ہی دل
میں اس قسم کا اظہار میں اپنے پیار کی توہین سمجھتا ہوں۔

"وہ اب خاموش تھی۔

"مریم تم خاموش کیوں ہو؟ یقین جانو میں تمہاری مرضی
کے بغیر تمہیں ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا ہوں ہاں یہ ضرور کہتا ہوں
کہ اگر تم نے مجھ پر التفات نہ کیا تو میری زندگی اور موت کی
ذمہ دار تم ہو گی۔

"نہیں نہیں وہ جذباتی کیفیت سے بولی۔
ایسا نہ کہیے میرے آقا میں تو آپ کی لونڈی ہوں...
میں... میں...

"وہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ کہہ دے...

اعظم میاں میں تمہارے باپ کے بستر کی شکن بن چکی ہوں اس
رشتے سے تمہاری ماں ہوں۔ اور ماں سے ایسے تعلقات
قائم کرنا گناہ ہی کی انسانیت ہے۔

لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے لالٹین کی مدھم روشنی
میں اعظم میاں کا کھلا ہوا کتابی چہرہ دیکھا اور دل مسوس کر
رہ گئی اور سوچنے لگی... آخر ان کا کیا قصور ہے ایک معصوم دل
کتنی جلدی فریب کھا جاتا ہے۔

اس نے اعظم جاہ کے چہرے پر معصومیت اور التجا کی رقص
کرتے ہوئے تاثرات دیکھے۔ اور اس کے جوان جذبات میں
ایک ایسا تلاطم پیدا ہو گیا کہ وہ خود ڈگمگانے لگی۔ وہ اتنا بڑا
گناہ بھول گئی وہ اپنی گزشتہ بربادی بھول گئی۔

اسے ایسا لگا جیسے اس نے آج تک کسی اور مرد کو قریب
سے نہیں دیکھا جیسے وہ بالکل پاک ہے۔ بالکل مقدس کلی
بے جواب تک گل چیں کے دست و برد سے محفوظ رہی ہے۔

وہ بڑی الجھن میں پڑ گئی وہ اعظم میاں کے سامنے اپنی
زبان سے ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔

اچھا مریم۔ خدا حافظ! میں اب چلتا ہوں تمہاری
خاموشی یہ کہہ رہی ہے کہ انہیں منظور نہیں ہے کہ تم میری بن
سکو اور میں اتنا ذلیل نہیں ہوں کہ تم سے اپنی بات زبردستی
منوالوں ویسے میں اس وقت یہ کہہ دینے آیا تھا کہ میں تمہیں
اپنی اتنی بڑی جاگیر کی ملکہ بنا دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں منظور نہیں تو
نہ سہی یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک چمکدار پستول نکالا
اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو یہ لوہے کی بے جان شے
میری ہر تمنا پوری کر دے گی۔

اچانک مریم اپنی جگہ سے جھپٹی اور بڑی سرعت سے اعظم
میاں کے ہاتھ سے وہ پستول چھین لیا اور دل پر جبر کرتے ہوئے
بولی۔

سرکار آپ کیسی ناسمجھی کی بات کرتے ہیں یہ کنیز آپ کی جان
نہیں لے سکتی۔

اعظم نے اس کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھا اور ہولے سے اس کا
ہاتھ تھام لیا۔

"سرکار..."

مریم کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

مریم مجھے سرکار کہہ کر گالی مت دو۔ میں اعظم ہوں وہ اعظم
جو محبت کرنا جانتا ہے حکومت نہیں۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں: وہ خود بخود بول پڑی۔

ہاں جانِ اعظم! بالکل سچ... مریم تم پہلی لڑکی ہو جس نے
میرے دل میں جگہ حاصل کی ہے جہاں تک اب کسی کی بھی
رسائی نہیں ہو سکتی۔

"دھوکہ تو نہ دو گے۔

دیکھو مریم تم نے پھر مجھے گالی دی... یہ کہہ کر اس نوشِ لب
نازنین کو اعظم نے آغوش میں بھر لیا۔

تم میری زندگی ہو مریم اور زندگی کو کون دھوکہ دے سکتا
ہے... اور جواب میں مریم نے اپنے آپ کو اپنے آقا کے
حوالے کر دیا جو ابھی نوجوان تھا۔

مریم جب صبح اٹھی اور غسل کرنے گئی تو اس کا انگ انگ
ٹوٹ رہا تھا۔

اس کی شادی نہیں ہوئی تھی لیکن آج وہ دوسری بار
شب عروسی منا کر نہانے آئی تھی لیکن پہلی بار کا واقعہ صفحۂ ذہن

سے عروف علماء کی طرح منتاو بنا چاہتی تھی۔

جب وہ تیار ہو کر سفید جوڑا پہن کر بیگم صاحبہ کے سامنے پہنچی تو وہاں دیدہ جو نظروں سے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"آج تو تم بہت اچھی لگ رہی ہو مریم۔"

پوپلے منہ سے بیگم نے پان چبا کر عجیب انداز سے کہا۔

"جی۔"

وہ چونک پڑی اور شرم سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

"تو بیگم سب کچھ جان گئی ہیں، اب کیا ہو گا۔۔۔!"

اس کا دل دھک دھک کرنے لگا کہیں کوئی آفت تو برپا نہیں ہو جائے گی۔

مگر کوئی آفت نہیں آئی اور بیگم نے شاید جان بوجھ کر اس کی طرف سے توجہ ہٹالی اور نیرن کو کسی بات پر ڈانٹنے لگیں مریم موقع غنیمت جان کر وہاں سے بھاگ گئی۔

بڑے گھروں کی بیٹیوں کے بارے میں اسے علم دو تھا۔ کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ بیگم نے بیٹے ہی دن بیٹے کی نگاہوں سے جانپ لیا تھا۔ وہ مریم پر مرتا ہے۔ اور یہ انہیں کبھی گوارا نہ تھا کہ ان کے لاڈلے صاحبزادے کسی اچھی چیز سے محروم رہیں۔

یہ تو صرف بڑے گھروں کے طریق ہیں۔ غریبوں کے یہاں تو اس بات پر طوفان برپا ہو جاتا ہے اور حویلی کے بڑے لوگ اس طوفان کو دیکھ کر مسکرا دیا کرتے ہیں۔

بیگم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنی رہیں اعظم میاں مریم کو ٹشو کی طرح استعمال کرتے اور مریم اپنے آپ کو بھول کر اپنا سب کچھ اعظم جاہ کی جوانی پر نثار کرتی رہی وہ اعظم میاں کی محبت میں اس درجہ سرشار ہو گئی تھی کہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

اعظم میاں نے مریم کو اپنے تن من دھن سے اپنا بنا رکھا تھا یہاں تک کہ ان کی ذاتی حویلی وغیرہ کو بھی وہی سنبھالتی تھی وہ دن کو گھر کا معمولی کام کاج جس میں زیادہ تر بیگم کی خدمت شامل ہوتی۔ اور راتیں اعظم جاہ کی خواب گاہ کی زینت بنتیں

اس طرح چکر چلتا رہا اور کیا وہ بہت گے خوشی اور اطمینان کا وقت اتنی جلدی سے گزر جاتا ہے کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر پاتے کہ کب آیا اور کب گیا۔

مریم جو ابھی تک اعظم جاہ کے فریب میں اپنی زندگی کو فریب دے رہی تھی اور یہ فریب کس قدر حسین تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ میں نے زندگی کا منتہائے مقصود پالیا ہے اس کی زندگی بھی ہے اعظم جاہ ہمیشہ کے لیے اس کے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے اعظم جاہ کی ہے اسے ساری دنیا میں سوائے اعظم جاہ کے اور کوئی دکھائی نہ دیتا تھا اس کے تحت الشعور کے گرد محبت کا گہرا ابر چھایا ہوا تھا اس ابر کی دھند میں اسے مستقبل کا کوئی پہلو سجھائی نہ دیتا تھا اور ایک دن طلسم ٹوٹ گیا ذہن پر چھائی ہوئی ابر ایک دم چھٹ گئی۔ اور حقیقت کا نکھرا ہوا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا۔

اس کی روشنی میں مریم نے اپنی زندگی کا اصلی روپ دیکھ لیا۔

گھر نئے سرے سے سجایا جا رہا تھا دیواروں پر نیا رنگ و روغن کیا جا رہا تھا۔ پردے، چھت گیلریاں، فرنیچر ہر چیز بہترین ڈھنگ سے درست کی جا رہی تھی۔

اس نے بیگم سے اس کی وجہ دریافت کی۔

بیگم نے نہایت رازدارانہ انداز میں کہا۔

مریم یہی اعظم کی شادی کے لیے بات چیت کرنے کانپور سے کچھ لوگ آرہے ہیں اور ہاں اب ذرا اعظم کے نزدیک کا خیال رکھ کر اس سے ملنا جلنا کیونکہ وہاں سے کچھ عورتیں بھی آئیں گی۔ اس لیے یہ ظاہر ہو کہ تم اس سے کسی طرح بے تکلف ہو۔

یہ الفاظ مریم کے اوپر بجلی کی طرح گرے اور اسے محسوس ہوا کہ ساری حویلی تیزی سے گھوم رہی ہے اور وہ بھی گرنے لگی۔ مگر اس نے زبردستی اپنے آپ کو سنبھالا اور ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف آگئی اور پلنگ پر گر کر سسکنے لگی وہ دن پہاڑ کی طرح گزرا۔

جب رات اعظم اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو مریم نے اس دفعہ بازو اعظم کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

مریم آج تم نے مجھ سے منہ کیوں موڑ لیا بھئی یہ ناراضگی کس بات کی ہے۔

ناراضگی وہ زہرخند کے ساتھ بولی تم مجھ سے میری ناراضگی دریافت کرنے آئے ہو جب کہ تم اپنے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہیں اس طرح چالبازی کرکے کسی کی زندگی سے کھیل کھیلنے کا کیا حق تھا۔

وہ زندگی میں آج پہلی بار تم سے مخاطب کر رہی تھی۔

آخر بات کیا ہوئی جان من اعظم مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

بات کیا ہوتی تھی وہ پھٹی پھٹی ہوئی بولی۔ ایک بے ضرر دا کمزور عورت کا خون چوس کر اطمینان سے شادی رچانے جا رہا ہے جب کہ اس بے کس لڑکی کے پیٹ میں اس کا خون پل رہا ہے اور ہو تم اتنی سی بات پر تنتنانے لگی ہو ارے پگلی۔ تیری شادی پہلے ہوگی بعد میں کسی اور کی تم پہلے دلہن بنو گی بعد میں کوئی اور۔ اور کل تم دلہن بنو گی اور ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ گی اور پھر بھی کوئی تمہیں چھین نہ سکے گا اب یہ بات کہ تم میری شادی پر ناراض ہو رہی ہو۔ یہ بالکل معمولی بات ہے میں نے سوچا کہ والدہ صاحبہ کی لاج بھی رکھ لوں لیکن میرے دل میں جو جگہ تمہارے لیے ہے وہ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

مریم نرم پڑ گئی اس نے آگے بڑھ کر اعظم کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

مجھے معاف کر دو میرے سرتاج میں نے آپ کو کتنی سخت باتیں کہہ دی ہیں۔

کوئی بات نہیں مریم ان باتوں سے تمہاری وفاداری ہوتی ہے اور خدا کی قسم تم غصہ میں اور بھی حسین لگتی ہو۔

اس نے اس کے گداز جسم کو آغوش میں لے لیا۔

تم میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو مریم اعظم نے دردناک لہجہ میں کہا۔

میں سب سمجھتی ہوں پیارے۔

بھلا کیا سمجھتی ہو۔ اعظم نے اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار سے کہا۔

آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔ مریم نے کہنا شروع کیا۔ آپ کو مجھ سے بہت ضرور ہے مگر آپ کو دنیا کا خوف بھی ضرور ہے آپ کو سماج میں اپنی پوزیشن کا بھی خیال رکھنا ہے اس لیے آپ کو ایک بڑے گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنا ضروری ہے تاکہ آپ کی جاگیر کے لیے ایک نجیب الطرفین وارث پیدا ہو سکے کیونکہ ایک نوکرانی کی اولاد جاگیر کی وارث نہیں بن سکتی۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو باپ دادا کے وقار خاندان کی ناک کٹ جائے گی یہی نا۔

"مریم"۔ اعظم چیخ اٹھا۔ "تم تم ایسی باتیں بھی کر سکتی ہو۔"

"ہاں"۔ وہ بڑے یقین سے بولی: "وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔"

"مریم۔ وہ پگھلتا ہوا بولا۔ مجھے نیند آرہی ہے وہ اسے لے کر مسہری پر لیٹتا ہوا بولا۔

وہ سب کچھ بھول کر بڑے پیار سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتی رہی۔

اعظم اس کے زانو پر سر رکھ کر سو گیا اور وہ اپنے سہاگ کو سینے سے لگائے ہوئے بہت رات تک دیکھتی رہی پھر اسے نہ معلوم کب نیند آگئی۔

آج کی صبح بڑی حسین تھی گھر میں ہر طرف حسن سا برس رہا تھا مریم کو حویلی کی فضا گنگناتی ہوئی نظر آرہی تھی آج اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔

اعظم میاں آج صبح ہی سے کمرے سے باہر تھے وہ خوب جانتی تھی کہ آج معذرت شرم سے اسے نہیں آرہے ہیں وہ بھی یہی سوچ کر کمرے سے باہر بہت کم نکلتی تھی کہ خواہ مخواہ اپنی ہنسی اڑوانے سے کیا فائدہ۔

ڈرپولا بخش کے طلاق دینے والے دن کے بعد سے جو اس کی طبیعت خراب ہوئی تو پھر وہ سنبھل نہ سکی۔

اس کا پیٹ روز افزوں بڑھتا جا رہا تھا حویلی کے خاندانی حکیم جی نے اس کے علاج معالجہ میں اس لیے ڈھیل دے دی کہ صرف مقوی غذائیں دی جائیں انہیں دوا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ شکایتیں تو حمل کی ہیں۔ وضع حمل کے بعد یہ خود بخود ہی رفع ہو جائیں گی

ادھر اعظم جاہ کی شادی کے انتظامات زور و شور سے ہونے لگے تھے آئے دن مہمان آتے۔ بڑے گھروں کی شادیاں۔ اور

ہنگامے معمولی نوعیت کے نہیں ہوتے ایسی صورت میں حویلی کے ایک سنسان کمرے میں مریم پڑی ہوئی تھی ایک معمولی خادمہ کی فکر کون کرے گا۔

مریم اپنی بربادی اور تباہی پر گھلتی رہی اسے جس بات کا سہارا تھا کہ اسے اعظم جاہ انہیں نظروں سے دیکھتے رہیں گے جن سے انہوں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور اس وقت کو سامنے رکھ کر اس نے ان کے سارے قصور معاف کر دیئے تھے جو انہوں نے اپنی ظاہری عزت اور شان کو برقرار رکھنے کے لیے کیے تھے لیکن اس کا محبوب اس کا محبوب نہ تھا۔ اس کے حسن و جمال کی خوشبو سونگھنے والا بھنورا تھا اور آج کل اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ نئی نئی اعلیٰ خاندان کی دلہن آنے والی تھی اور ساتھ میں لاکھوں روپے کا جہیز لانے والی تھی شادی میں جو سوٹ گھڑی وغیرہ اعظم کو پہنائے گئے تھے وہ خاص۔۔۔ سوئٹزرلینڈ سے منگوائے گئے تھے۔

اعظم جاہ اپنی شادی کی دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ نئی دلہن کی رعنائیوں میں گم رہے اور آخر میں اس رات جب اعظم جاہ دولہا بن کر کانپور گئے ہوئے تھے اور ابھی بارات واپس نہیں آئی تھی۔ حویلی میں دلہن کے استقبال کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں اس وقت حویلی کے ایک تاریک کمرے میں مریم نے ایک بچی کو جنم دیا۔

چونکہ وہ بہت کمزور ہو گئی تھی صدموں کے احساس نے اس کا جوڑ جوڑ ڈھیلا کر دیا تھا۔ اس لیے وضع حمل میں بہت تکلیف ہوئی اور وہ اسی وقت بے ہوش ہو گئی۔ سوائے ایک خادمہ خیرن کے کوئی بھی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا بیگم تو اپنے بیٹے کی شادی میں لگی ہوئی تھیں اور مریم لاوارثوں کی طرح بچی کو جنم دینے کے ایک گھنٹے بعد اپنے دل میں ہزار ارمانوں کا بوجھ لیے ہوئے اس جہاں سے چلی گئی۔

مریم مر گئی لیکن اس کی موت پر کسی نے آنسو نہیں بہائے اس کا کون تھا اس دنیا میں جو اس کے جواں مرگ جنازے میں شریک ہوتے۔ حویلی کے نوکر منشی، کارندے اور گاؤں کے دوسرے باشندے اس کے جنازے میں شریک ہوئے اور اسے خاندانی قبرستان سے الگ ایک دوسرے ویرانے میں جو غلاموں اور لونڈیوں کا قبرستان کہا جاتا تھا دفنا دیا گیا۔

○○